سہ ماہی ”تحقیق و تجزیہ“ (جلد3، شمارہ:4)، اکتوبر تا دسمبر2025ء

Implications of Rural Displacement: The Disintegration of Rural Identity and the Complexities of Urban Life in *Raja Gidh*

ترک سکونت کے مضمرات:راجہ گدھ میں دیہی شناخت کا انہدام اور شہری زندگیاں کی پیچیدگیاں

Sadia Yasmeen*[1]
PhD Scholar, Department of Urdu, IIU, Islamabad
Dr.Ghulam Fareeda*[2]
Assistant Professor, Department of Urdu, IIU, Islamabad

سعدیہ یاسمین☆[1]
پی ایچ ڈی، شعبہ اردو،انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹرغلام فریدہ☆[2]
اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ اردو،انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی،اسلام آباد

Correspondance: ghulam.farida@iiu.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 15-10-2025
Accepted:30-12-2025
Online:31-12-2025

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: This article examines the theme of migration in Bano Qudsia's novel *Raja Gidh* as a complex socio-psychological and cultural experience rather than a mere geographical shift. Through the character of Qayyum, the study highlights how leaving a rural environment and entering an urban setting produces emotional fragmentation, identity crisis, and a deep sense of alienation. The contrast between the rootedness, communal values, and moral cohesion of village life and the individualism, modernity, and fluid social structures of the city exposes Qayyum's internal conflict and persistent inferiority. The character of Semi Shah embodies urban confidence and cultural modernity, intensifying Qayyum's struggle between his inherited rural identity and the demands of urban life. Ultimately, the article argues that migration in *Raja Gidh* becomes a symbolic journey of psychological dislocation, moral uncertainty, and the painful reconstruction of selfhood within shifting social realities.

KEYWORDS: Bano Qudsia, Raja Gidh, Qayyum, Rural Displacement, Rural Identy

ترکِ سکونت ایک اہم سماجی و تہذیبی مظہر ہے۔ اس عمل میں فرد اپنے مانوس ماحول، روایات، سماجی رشتوں اور شناختی جڑوں کو چھوڑ کر ایک نئی جگہ میں زندگی شروع کرتا ہے، جس کے نتیجے میں اس کی شخصیت، احساسِ وابستگی اور سماجی کردار میں گہری تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ نظریاتی سطح پر ترکِ سکونت کو سماجی نقل و حرکت کا ایک پہلو بھی سمجھا جاتا ہے جو بعض اوقات بہتر معاشی مواقع کی تلاش میں مدد دیتا ہے، لیکن ساتھ ہی شناخت کے انہدام، ثقافتی بیگانگی اور شہری دباؤ جیسے مسائل بھی پیدا کرتا ہے۔ جدید نظریات کے مطابق ترکِ سکونت ہمیشہ محض جغرافیائی تبدیلی نہیں بلکہ ایک پیچیدہ نفسی، معاشرتی اور ثقافتی تجربہ ہوتا ہے جس میں فرد اپنے ماضی اور حال کے بیچ معلق رہ کر ایک نئی شناخت کی تشکیل کرتا ہے۔ اس تمام عمل کے دوران سماج، طبقاتی ڈھانچے، طاقت کے رشتے اور شہری زندگی کی پیچیدگیاں فرد کی نفسیاتی ساخت اور سماجی مقام دونوں پر اثرانداز ہوتی ہیں، جس سے ترکِ سکونت ایک گہرا انسانی اور سماجی المیہ بن جاتا ہے۔

اسی تناظر میں لکھا گیا بانو قدسیہ کا ناول راجہ گدھ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ بانو قدسیہ اردو ادب کی ممتاز ناول نگار ہیں۔ ان کی تخلیقات میں سماجی، معاشی اور نفسیاتی مسائل کی پیش کش کے ساتھ ساتھ ثقافتی عوامل کو بھی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ خصوصاً اس ناول میں مرد کی نفسیات کو بیان کرتے ہوئے انھوں نے بہت بیباکانہ انداز اختیار کیا ہے۔

> "بانو قدسیہ نے مردوں کی دکھتی رگ پر ایسے ہاتھ رکھا ہے کہ تلملا کر رہ جائیں اور اُف بھی نہ کر سکیں۔۔۔ مرد تخلیق کاروں کے بڑے بڑے ناولوں کے مرکزی کرداروں کی طرف اس مقصد سے اشارہ بہت کافی ہو گا۔ فرق صرف یہ ہے کہ ناولسٹ حضرات اس کو راجہ اندر کا روپ دے کر ایک سخت پردہ پوش قسم کا کیموفلاج کر گزرتے ہیں۔"(1)

اس مقالے میں ناول راجہ گدھ کا دیہی ترک سکونت کے تناظر میں تجزیہ کیا گیا ہے۔ ناول کا ایک کردار قیوم ترکِ سکونت کے تجربے سے دوچار ہوتا ہے۔ وہ دیہی ماحول چھوڑ کر شہر کی طرف ہجرت کرتا ہے اور اس عمل کے دوران اسے معاشرتی دباؤ، نئے ماحول کی بے گانگی اور شناخت کے عدم تحفظ جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قیوم کی یہ ہجرت محض جغرافیائی تبدیلی نہیں بلکہ ایک اندرونی سفر بھی ہے جس میں اس کی ذاتی، سماجی اور اخلاقی شناخت کشمکش سے دوچار ہوتی ہے۔

راجہ گدھ میں ترکِ سکونت کے یہ تجربات نہ صرف فرد کی نفسیاتی کیفیت کو اجاگر کرتے ہیں بلکہ دیہی زندگی سے جڑی روایتی اقدار اور شہری زندگی کی پیچیدگیوں کے درمیان تضاد کو بھی مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ یوں ناول ترکِ سکونت

کو ایک سماجی اور ادبی مسئلے کے طور پر پیش کرتا ہے، جس میں شخصیت، ماحول اور معاشرتی ڈھانچے کے باہمی تعلقات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

ناول میں قیوم جب اپنے والدین کی زندگی، حویلی کی شان اور ماں کے مائیکہ سے جڑی خواہشات کو یاد کرتا ہے تو دراصل وہ اپنی دیہی شناخت کو دوبارہ درست تناظر میں دیکھنے لگتا ہے۔ اس کی شخصیت کے کئی پوشیدہ پہلو خاص طور پر اس کی حساسیت، انکسار، اور اقدار سے جڑا ہونا اسی دیہی تربیت اور خاندانی ماحول کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ قیوم خود ترکِ سکونت کے عمل سے گزرتا ہے مگر اس کے فیصلوں، ردِّعمل اور اخلاقی جھجک کے پس منظر میں اس کے خاندان کی وہی قدریں، یادیں اور دیہی شناخت کارفرما رہتی ہے جنہیں وہ کبھی نظر انداز بھی کرتا ہے مگر وہ اس کی نفسیات سے کبھی جدا نہیں ہوتیں۔

> "میرے ماں باپ کا گھرانہ بڑا شان والا تھا۔چند رامیں ہماری حویلی سارے علاقے میں مشہور تھی۔۔۔ماں کا میکہ گمنام رہا۔ہم ماں کے کسی رشتہ دار کو نہ جانتے تھے۔وہ حویلی میں اپنی کلب کی اور خاندان کے اندر ابا کی رعایت سے بڑی چودھرائن تھی۔۔۔جب ماں بیمار پڑی اور گھر سے بھیڑ کم ہونے لگی تو مجھے پتا چلا کہ وہ قصور جا کر اپنے مائیکہ گھر میں مرنا چاہتی تھی۔باپ کو ماں کی اس آرزو پر منطقی طور پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔لیکن ساری بات غیرت کی تھی۔ہمارے گھر کی کوئی بھی بڑی سیانی اپنے میکہ گھر میں فوت نہیں ہوئی تھی۔"(2)

اس سے قیوم کے ذہنی و جذباتی پس منظر کی وضاحت ہوتی ہے۔ جہاں اس کے والدین کی زندگی، دیہی اقدار اور خاندانی روایات مسلسل اس کے شعور میں زندہ رہتی ہیں۔ قیوم جب اپنے گھرانے کی حویلی، باپ کی رعایت، ماں کی چودھراہٹ اور مائیکے کی خاموشی کا ذکر کرتا ہے تو وہ دراصل گاؤں کے اس نظامِ رشتہ داری، غیرت، اور اجتماعی شناخت کو یاد کر رہا ہوتا ہے جس میں فرد کا مقام خاندان، قبیلے اور روایت کے اندر متعین ہوتا تھا۔ماں کی مائیکہ میں مرنے کی خواہش بھی اسی دیہی نظام کی روح کی طرف اشارہ ہے جہاں موت، جنازہ، رواج اور عورت کی اصل شناخت سبھی اپنے گھر، اپنی چادر اور اپنے قبیلے سے جڑے ہوتے تھے۔ لیکن باپ اور خاندان کی طرف سے اس خواہش پر ہچکچاہٹ اس بات کی علامت ہے کہ غیرت اور سماجی توقعات دیہی زندگی میں کس حد تک فرد کی ذاتی خواہشات پر غالب رہتی ہیں۔ یہ سب باتیں قیوم کو اس کے ماضی کی اقدار کے ساتھ مسلسل جوڑے رکھتی ہیں۔

جب قیوم شہری دنیا میں قدم رکھتا ہے، تو وہ دیکھتا ہے کہ یہاں نہ ایسی غیرت ہے، نہ خاندان کی اجتماعی طاقت، نہ اقدار کا وہ مضبوط جال جس میں دیہات کے لوگ بندھے ہوتے ہیں۔ شہری زندگی میں تعلقات، رشتے اور شناختیں زیادہ تر ذاتی

مفاد، آزادانہ انتخاب اور فردیت کی بنیاد پر چلتی ہیں، جبکہ گاؤں میں شخصیت خاندان سے قائم ہوتی ہے۔ قیوم شہری دنیا میں بار بار **اخلاقی بے چینی، جذباتی عدم تحفظ اور رشتوں کی کمزوری** محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنی والدہ کی کہانی سے یہ سیکھتا ہے کہ گاؤں میں تعلق، وفاداری، غیرت اور شناخت ایک مربوط نظام تھا، لیکن شہر میں اس نظام کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے، اور ہر شخص اپنی انفرادی زندگی میں مصروف ہو جاتا ہے۔

> "جس وقت سورج پھیکا پڑ کے اندھا ہو جاتا وہ پیپل کے تنے تلے عین
> گھڑونچیوں کے پاس چارپائی کھسکا کر پڑ رہتی۔ اب بھی آنگن میں شام کے
> وقت میلہ سا لگا رہتا تھا۔ ماں کی طبیعت کا پوچھنے دو آتیں تو چار اٹھ کر چلی
> جاتیں، لیکن اب ماں کی کھنک دار آواز نہ آتی۔۔۔ قیومی مختار۔۔۔ بیٹا سروئی
> پی لو۔۔۔ پھر مغرب کا وقت ہو جائے گا۔ میری نماز کھنج جائے گی کاکا۔(3)"

قیوم ماں کی آواز، ان کی پکار، ان کی فکر اور ان کے معمولات کو صرف یاد نہیں کرتا بلکہ اپنے اندر ایک **شناختی تھکن اور جذباتی پچھتاوے** کو بھی محسوس کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہجرت فرد کو صرف جگہ سے نہیں ہٹاتی بلکہ اس کے اندر موجود **تعلقات کی نوعیت کو بھی** بدل دیتی ہے۔ دیہی ماحول چھوڑ کر شہری زندگی میں داخل ہونے کے بعد قیوم مختلف سماجی اور نفسیاتی مشکلات کا سامنا کرتا ہے۔ شہر کی تیز رفتار زندگی، نئے معاشرتی رشتوں کی پیچیدگیاں، اور شہری رسم و رواج کی بے گانگی اس کی داخلی شناخت پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ قیوم کی یہ ہجرت ایک طرف تو بہتر مواقع کی تلاش کے لیے ہے، مگر دوسری طرف اس کے لیے یہ ایک شناختی بحران بھی ہے۔ دیہی زندگی میں جڑیں مضبوط تھیں، روایات اور رشتہ داریوں نے اس کی شخصیت کو ایک مستحکم بنیاد فراہم کی تھی، لیکن شہر میں وہ تنہائی، مقابلہ اور بے گانگی کے دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس عمل کے دوران قیوم کے رویے میں تبدیلیاں آتی ہیں۔ وہ کبھی اپنے اصل اصولوں اور اقدار کے ساتھ جھجک محسوس کرتا ہے، تو کبھی شہر کی پیچیدگیوں کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔

دیہی ترکِ سکونت نہ صرف فرد کے ذاتی تعلقات اور رشتوں پر اثر ڈالتی ہے بلکہ معاشرتی ڈھانچے، طبقاتی رویوں اور ثقافتی تضادات کو بھی آشکار کرتی ہے ۔ سیمی شاہ کا کردار شہری جدیدیت، آزادانہ رائے، تعلیم یافتہ ذہنیت اور خود اعتمادی کی ایک مکمل علامت ہے۔ اس کی گفتگو میں واشنگٹن ڈی سی کا حوالہ، یونیورسٹی کی سیاست میں متحرک شرکت، آزادانہ اظہارِ رائے اور جدید فیشن اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسے شہری ماحول میں پلی بڑھی ہے جہاں فرد کو اپنی شناخت خود تراشنے کا حق حاصل ہے۔

> "سیمی آسانی سے قابو آنے والی لڑکی نہ تھی۔ وہ خود سر، ضدی، خوب پڑھی
> لکھی اور فیشن ایبل تھی۔۔۔ اس کی باتوں میں واشنگٹن ڈی سی کا دبکا

تھا۔ اپنی رائے، چاہے وہ کیسی بھی دور پار یا انوکھی کیوں نہ ہو، اس کے اظہار کو وہ اپنا پیدائشی حق سمجھتی تھی۔ یونین کے الیکشنوں میں اس نے پوسٹر بنائے، تقریریں کیں، ووٹروں کے ساتھ گھومی پھری، جھنڈے اٹھا کر نعرے لگائے۔۔۔ وہ اصلی معنوں میں ماڈرن تھی۔ کیونکہ ہر ننگے لباس میں وہ ڈھکی رہتی۔ "(4)

اس کے مقابلے میں قیوم ایک دیہی پس منظر کا نمائندہ ہے۔ ایک ایسا ماحول جہاں لڑکیاں سیمی جیسی فعال اور خود مختار نہیں ہوتیں، جہاں بولنے، رائے دینے اور سیاسی عمل میں شریک ہونے پر روایتی پابندیاں موجود ہوتی ہیں۔ قیوم کی بنیادی تربیت ایک ایسے نظام میں ہوئی ہے جہاں **عورت کی تہذیبی تصویر** خاموشی، حیا، تابع داری اور محدود سماجی شرکت سے جڑی ہوتی ہے۔

"عابدہ کو ماڈرن لباس کا سلیقہ نہ تھا۔ اس نے بڑے بڑے پھولوں کے پرنٹ کا نائیلونی سوٹ پہن رکھا تھا۔ بازو چوڑیوں سے لبالب بھرے تھے۔ ناک میں چھوٹی سی تیلی تھی۔ چوڑیوں کے باوجود اس نے گھڑی بھی باندھ رکھی تھی۔ "(5)

اس کے مقابلے میں سیمی کی شخصیت جو خود سر، بے باک، دیانت دارانہ خود اعتمادی رکھنے والی اور بے خوف ہے۔ قیوم کے ذہنی اور اخلاقی نظام سے براہ راست ٹکرا جاتی ہے۔ سیمی کی تعلیم اسے احساس دلاتی ہے کہ وہ فکری طور پر کمزور ہے۔ سیمی کی شہری آزادی اسے احساس دلاتی ہے کہ وہ سماجی طور پر پیچھے رہ گیا ہے۔ سیمی کا اعتماد اسے یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ جذباتی اور شخصی طور پر اس کے مقابلے میں کمتر ہے۔ یہی سب عوامل قیوم کے احساس کمتری کا اصلی محرک ہیں۔

"میں نے تیسرا سجدہ سیمی شاہ کو کیا۔۔۔ غالباً اس میں اس کلچر کی جیت تھی جو دیہاتی لوگوں کو میسر نہیں آتا۔ میں نے اس سے پہلے اتنی مکمل شہری لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ اسے دیکھ کر میں اشتہاروں کی دنیا میں پہنچ گیا۔ اور وہ مجھے ہوائی سفروں پر بادلوں سے اوپر لے گئی۔ اس کا لب و لہجہ، لباس، اٹھنا بیٹھنا، جسم سے اٹھنے والی خوشبو سب اس بات کی گواہ تھیں کہ وہ مجھ سے زیادہ مہذب ہے۔ "(6)

یہ سجدہ دراصل قیوم کی ذہنی و نفسیاتی شکست کی طرف اشارہ ہے جو ترکِ سکونت کے بعد ایک دیہاتی فرد کو شہری تہذیب کے مقابلے میں محسوس ہوتی ہے۔ قیوم کی نظر میں سیمی شاہ ایک عورت نہیں بلکہ ایک مکمل شہری کلچر کی علامت بن جاتی

ہے۔وہ کلچر جس کی چمک، جس کی خود اعتمادی اور جس کی آزاد فضا دیہاتی ذہن کو مرعوب کر دیتی ہے۔ دیہات میں پلے بڑھے قیوم کے لیے سیمی کی شخصیت ایک ایسے تصوراتی جہاں کی نمائندہ ہے جس تک اس کی رسائی کبھی نہیں رہی۔ اسی لیے وہ اسے دیکھ کر اشتہاروں کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔یعنی اس جدید تہذیب اور شہری طرزِ زندگی سے مرعوب ہو جاتا ہے جس کا وہ صرف دور سے تصور کر سکتا تھا۔

"اس کا تعلق چوں کہ ایک چھوٹے سے محدود ثقافتی پس منظر سے ہے اس لیے لاہور جیسے بڑے شہر کی رنگا رنگ ثقافت میں اسے ہر جگہ اپنی عدم قبولیت کا احساس ہوتا ہے۔ قیوم اس عدم قبولیت کو تسلیم کرنے کی بجائے اس سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کرتا ہے۔"(7)

اس پورے منظر میں قیوم کا دیہی پس منظر اس کی شخصیت پر بوجھ بن کر سامنے آتا ہے۔ ترکِ سکونت نے اس کے اندر ایک مسلسل موازنہ پیدا کر دیا ہے۔ شہری دنیا کی آزادی اور خود اعتمادی اسے اپنی دیہی سادگی، جھجک اور روایت پر مبنی تربیت کے مقابلے میں پسماندگی محسوس کرواتی ہے۔اسی فرق اور اسی احساسِ کمی کے تحت سیمی شاہ نہ صرف ایک عورت بلکہ ایک نئے جہاں کی نمائندہ دکھائی دیتی ہے، ایک ایسی دنیا کی جس میں قدم رکھتے ہی قیوم اپنے ماضی سے مزید دور اور خود سے مزید اجنبی ہوتا جاتا ہے۔

"پتہ نہیں کیوں کئی دن تک مجھے یوں لگتا رہا جیسے میں اپنا باپ آپ ہوں جو چندرا گاؤں کی حویلی میں اکیلا رہ گیا تھا۔ میں سوچتا میں وہی ہوں اور دوسری منزل کی مٹی پر بیٹھا رہتا ہوں۔ جب بھی میں اپنی کھڑکی میں بیٹھ کر باہر دیکھتا تو دور دور تک مجھے سفید کلر زدہ زمین نظر آتی۔ کہیں کوئی روئیدگی باقی نہ رہی تھی۔ کوئی جھاڑی سبزہ یا سایہ دار درخت نہ تھا۔"(8)

ترکِ سکونت کے بعد وہ جسمانی طور پر شہر میں موجود ہے مگر ذہنی طور پر گاؤں کے ماحول میں ہی قید ہے۔ اس کے اندر دو شناختیں مسلسل ٹکراتی ہیں۔ وہ جو شہر نے اس پر تھوپی ہے، اور وہ جو اس کے باپ سے، اس کی جڑوں سے، اور اس کی دیہی تربیت سے اسے ملی ہے۔

اپنے باپ کی جگہ خود کو رکھ کر دیکھنا دراصل اس احساس کی علامت ہے کہ شہری زندگی نے اسے بے بسی اور اکیلے پن کی اسی کیفیت میں دھکیل دیا ہے جس کا تصور وہ اپنے باپ کی تنہائی سے جوڑتا ہے۔ ترکِ سکونت کے بعد اکثر لوگ اپنے آپ کو ماضی کے نقشوں میں تلاش کرتے ہیں کیونکہ نئی جگہ پر انہیں نیا خود بنانے میں مشکل ہوتی ہے۔ قیوم بھی اسی بحران سے گزر رہا ہے۔

جب وہ کھڑکی سے باہر سفید کلر زدہ زمین دیکھتا ہے جہاں کوئی روئیدگی باقی نہیں رہی۔ یہ منظر اس کے داخلی بنجر پن کا استعارہ بن جاتا ہے۔ گاؤں کی زمین ہمیشہ اس کے لیے زرخیزی، تعلق اور تحفظ کی علامت تھی، مگر اب یہ منظر اس کے

اندر اس احساس کو جنم دیتا ہے کہ وہ اپنی جڑوں سے دور آکر ایک ایسی دنیا میں آگیا ہے جہاں شناخت کی کوئی سبز شاخ باقی نہیں رہی۔

> "قیوم کی زندگی بھی لا حاصلی کی ایک داستان ہے۔ ویسے اس نے زندگی کا کوئی بڑا منصوبہ بنایا بھی نہیں تھا۔ قیوم جیسے لوگ زندگی کسی بڑے منصوبے یا فلسفے کے مطابق بسر بھی نہیں کرتے۔ ایسے لوگ عوام میں سے ہوتے ہیں اور انھیں عام آدمی ہونے یا کہلانے میں کسی قسم کا احساس کمتری بھی نہیں ہوتا۔"(9)

اسی بنجر زمین میں سبزے اور درختوں کا نہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ قیوم اپنی ماں باپ کی دیہی قدروں کے اس ماحول کو دوبارہ کہیں نہیں پا سکتا۔ وہ جہاں بھی دیکھتا ہے، اسے صرف کشادگی نہیں بلکہ ویرانی اور اجنبیت دکھائی دیتی ہے۔ ترکِ سکونت کے بعد یہی خلاء اکثر فرد کی شخصیت میں سرایت کر جاتا ہے، اور قیوم کے معاملے میں یہ احساس اس کی ہر سوچ کو گرفت میں لیتا ہے۔

مجموعی طور پر بانو قدسیہ کے ناول *راجہ گدھ* میں ترکِ سکونت کو ایک گہرے سماجی، نفسیاتی اور تہذیبی تجربے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ قیوم کی دیہی زندگی سے شہری دنیا میں ہجرت کو محض جغرافیائی تبدیلی نہیں بلکہ شناختی بحران، جذباتی بے وطنی اور سماجی بے گانگی کے عمل کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ دیہی اقدار، خاندان کا نظام اور رشتوں کی مضبوطی قیوم کی شخصیت کا بنیادی حصہ ہیں جو شہر کی آزادانہ، خود مختار اور تیز رفتار زندگی سے ٹکرا کر اس کے اندر شدید احساسِ کمتری اور عدم تحفظ پیدا کرتے ہیں۔ سیمی شاہ کا شہری اور جدید کردار قیوم کے لیے خود سے اجنبیت کا آئینہ بن جاتا ہے، جو دیہی اور شہری شناختوں کے تضاد کو نمایاں کرتا ہے۔ یوں ترکِ سکونت ناول میں فرد کی داخلی شکست، سماجی تبدیلیوں اور شناخت کے ٹوٹنے کا ایک علامتی اور حقیقت پسندانہ منظر نامہ بن کر ابھرتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ابو سعادت جلیلی، راجہ گدھ ایک اہم ناول، مشمولہ: قومی زبان، مارچ 0092، جلد 81، شمارہ 3، کراچی: انجمن ترقی اردو، ص 40

2۔ بانو قدسیہ، راجہ گدھ، دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، 2018ء، ص 189

3۔ ایضاً، ص 189

4۔ ایضاً، ص120

5۔ ایضاً، ص218

6۔ ایضاً، ص21

7۔ غلام فریدہ/طاہر نواز، اردو ناول "راجہ گدھ" "تذکیری مثالیت پسندی: تجزیاتی مطالعہ، مشمولہ: امتزاج، شمارہ 30، 19 جون 2023ء، ص56

8۔ بانو قدسیہ، راجہ گدھ، ص191

9۔ نظیر صدیقی، راجہ گدھ ایک نئی اخلاقیات کی طرف ایک دعوت، مشمولہ: نیرنگ خیال، جلد 60، شمارہ 76 راولپنڈی، مئی 1984ء ص84

References:

1. Abu Sa‘adat Jalili, Raja Gidh: Ek Aham Novel, mashmoola: Qaumi Zaban, vol. 81, no. 3, March 2009, Karachi: Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu, p. 40.
2. Bano Qudsia, Raja Gidh, Dehli: Arshia Publications, 2018, p. 189.
3. Ibid, p. 189.
4. Ibid, p. 120.
5. Ibid, p. 218.
6. Ibid, p. 21.
7. Ghulam Fareeda and Tahir Nawaz, Urdu Novel “Raja Gidh”: Tazkiri Misaliyat Pasandi — Tajziati Mutala‘a, mashmoola: Imtizaj, no. 19, 30 June 2023, p. 56.
8. Bano Qudsia, Raja Gidh, p. 191.
9. Nazeer Siddiqui, Raja Gidh: Ek Nai Akhlaqiyat ki Janib Ek Da‘wat, mashmoola: Nairang-e-Khayal, vol. 60, no. 67, Rawalpindi, May 1984. P 84